بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

گذشتہ ترجمان القرآن میں ہم نے قوموں کی تعمیر و ترقی میں ماضی کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ مسلم قوم کے لیے اتباعِ اسلاف کی اہمیت دنیا کی دوسری اقوام سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے ہاں رنگ و نسل، زبان و وطنیت کے وسیع اختلاف کے باوجود جو وحدتِ فکر اور جو وحدتِ عمل نظر آتی ہے، اُس میں علاوہ دوسرے وجوہ کے، ایک اہم وجہ اس ملت کی سلف سے وابستگی بھی ہے۔ سلف کے ساتھ تعلق نے نہ صرف اسے ایک سلک میں منسلک رکھا ہے بلکہ اسے ایک واضح نظامِ سیاست، نظامِ معیشت اور نظامِ معاشرت بھی عطا کیا ہے۔ اسی سے اس کے اجتماعی شعور کا ہیولیٰ تیار کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جس سے دنیا کی دوسری قومیں قریب قریب محروم ہیں۔ یہ اس اجتماعی شعور کا اعجاز ہی ہے کہ یہ قوم ہزارہا اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود "حق" کے نقطۂ نظر سے بالکل صحت مند ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صدیوں کے انحطاط کے بعد آج بھی جب اُس کے سامنے اسلام کی کوئی ایسی تعبیر یا حیاتِ اجتماعی کی ایک ایسی شکل پیش کی جائے جس کی تائید سنتِ رسول اور آثارِ صحابہ سے نہ ہوتی ہو اور جس کے حق میں شروع سے اب تک کے جمہورِ امت کا مسلم التبوت نظامِ فکر نہ ہو، تو یہ قوم اس تعبیر اور حیاتِ اجتماعی کے اس نقشہ کی ظاہری چمک کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس ملت کا ہر فرد دلائل سے یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس میں فلاں فلاں جگہ اسقام ہیں مگر اس کا احساس خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ "ایں نقش دیگر است"۔

ملت کے اس طرزِ فکر کو ہمارے بعض "کرم فرما" جذباتیت، رجعت پسندی یا آباء پرستی کہہ کر اس کے خلاف ایک رائے عام تیار کرنے کی منظم کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ہم یہ عرض کریں گے کہ جس انداز سے

اس روش کے خلاف نفرت پھیلائی جارہی ہے اُس کے پیچھے بھی ان کی مخصوص مصلحتیں کام کررہی ہیں۔ یہاں یہ موقع نہیں کہ ہم ان حضرات کی اس جدوجہد کے نتائج پر کوئی تفصیلی بحث کریں۔ اس پر انشاء اللہ کسی آئندہ موقع پر گفتگو کی جائے گی۔ مگر یہاں اتنی گذارش کردینا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یورپی اخلاق اور معاشرت کو جس ذہنیت نے سب سے زیادہ تباہ کیا ہے وہ یہی "مصلحت کوشی" اور "فکری بے راہ روی" ہی تو ہے جسے نہایت عیاری سے "عقلیت پرستی" اور "جدت" کا نام دے دیا گیا ہے۔

ایک مسلمان کو انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جلیل القدر اصحاب سے جو قلبی تعلق ہے، اس میں کافی دخل جذبات کا بھی ہے اور ہونا چاہیے۔ جو لوگ اس نسبت اور رشتہ کو توڑنے یا کمزور کرنے کے آرزومند ہیں، اُن کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ "جذبات" کے خلاف ایک معاندانہ فضا ہموار کریں۔ یہ حضرات بڑی چالاکی کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں اس خیال کو راسخ کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ ہر فعل جس میں جذبات کسی جہت سے بھی دخیل ہوں، سراسر احمقانہ ہے۔ یہ اندازِ فکر بالکل غلط اور انسانی فطرت کے عین منافی ہے۔ جذبات، حیات انسانی کا جزو لاینفک ہیں۔ ان کی اگر صحیح طریقے سے پرورش کی جائے تو اس سے نہایت ہی اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ انسانی شخصیت کی تکمیل انہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ انہی کی مدد سے ایک فرد کی صلاحیتیں ایک مرکز پہ مجتمع ہوتی ہیں۔ اسے ایک نصب العین سے عشق اور محبت پیدا ہوتی ہے اور اُس کے اندر وہ "جرأت رندانہ" جنم لیتی ہے جس سے وہ "آتش نمرود" میں بے خطر کود پڑتا ہے۔ عقل ایک میزان ہے، یہ ایک کسوٹی ہے جس کی مدد سے ہم کھرے کو کھوٹے سے، خوب کو ناخوب سے، حق کو باطل سے ممیز کرتے ہیں۔ لیکن وہ چیز جو صحیح اور حق کے حصول کے لیے ہمارے اندر سعی و جہد کا ولولہ پیدا کرتی ہے وہ جذبات ہی ہیں۔ اگر انسان کے اندر جذبات نہ ہوتے تو وہ صرف ایک "پیمانہ" ہوتا مگر وہ ایک صاحبِ احساس انسان نہ ہوتا۔ چنانچہ اسی جذبہ کو ہمارے ایمان کا مدار قرار دیا گیا ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ

علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احبّ الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (مشکوٰۃ ۔ کتاب الایمان) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اس کے والد اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس ضمن میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عمل کے جو چشمے تحت الشعور سے اُبلتے ہیں، وہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ کڑوے ہی ہوں۔ اگر جذبات کے "سیلِ بے پناہ" پر فکرِ صحیح کے بند باندھ دیئے جائیں تو اس سے نہ صرف شعور کی اوپر کی سطح پر، بلکہ اُس کے نیچے بھی پاکیزہ احساسات کے ایسے متعدد دھارے بہ نکلتے ہیں جن سے شخصیت کی کھیتی سیراب ہو کر سیرت و کردار کی نہایت عمدہ فصلیں اگاتی ہے۔ اس لیے ہر وہ چیز جو تحت الشعور کے چلمن میں سے چھن چھن کر آئے، یا جو جذبات کی سطح پر تیرتی ہوئی ہم تک پہنچے وہ ہمیشہ ہی نقصان دہ اور مضرت رساں نہیں ہوتی۔ جو انسان اپنے قلب کو سلبی خیالات کی بازی گاہ نہیں بناتا، جو وساوس اور حرص و ہوا سے ہمیشہ اسے پاک رکھتا ہے، اور ان کی بجائے ایجابی، حیات بخش اور نیک خیالات کی پرورش کرتا ہے اُس کا دل بھلائی کا مرکز ہوتا ہے، شرافت کا مبداء ہوتا ہے، اور اس سے ہمیشہ نیکی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اس کے جذبات کو گمراہ جذبات اور نقصان دہ جذبات کے قبیل میں شمار کرنا کسی معقول آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح بعض حضرات مسلمانوں کی اسلاف سے محبت کو آباد پرستی یا رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہوئے فوراً یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس رجحان کی قرآن حکیم نے سختی سے مذمت کی ہے اور اپنے اس دعوے کی تائید میں وہ چند آیتیں بھی لے آتے ہیں جن میں باپ دادا کی کورانہ تقلید کو گمراہی کہا گیا ہے۔ لیکن یہ حضرات یہ نہیں دیکھتے کہ جس چیز کو قرآنِ پاک غلط کہہ رہا ہے وہ یہ نہیں کہ ہر وہ عمل جو باپ دادا نے کیا ہے وہ یقیناً گمراہی تھا اور اب جو شخص بھی اس کی پیروی کرے گا وہ بالضرور گمراہ ہی ہو گا۔ بلکہ اس نے جس رجحان کی مذمت کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس اپنے کسی فعل کے برحق ہونے کے لیے اور

کوئی وجہ جواز بجز اس کے نہ ہو کہ "باپ دادا کے وقتوں سے یہی کچھ ہوتا آرہا ہے"۔ ظاہر بات ہے کہ یہ طرزِ عمل ان حالات میں تو ضرور غلط ہے جن میں باپ دادا گمراہی میں مبتلا ہوں اور ایک شخص انہی کی اندھا دھند پیروی کرتا چلا جائے۔ ایسا شخص لازمی طور پر غلط راستے پر پڑ جائے گا۔ لیکن یہ دیکھیے کہ قرآن حکیم کن حالات میں آباؤ اجداد کی پیروی پر تنبیہ کر رہا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔

(البقرہ - ۲۱)

اور جب کبھی ان سے کہا گیا کہ جو علم خدا نے بھیجا ہے اس کی پیروی کرو تو انھوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جو ہمیں باپ دادا سے ملی ہے۔ اگر ان کے باپ دادا کسی بات کو نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں تو کیا یہ پھر بھی انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے۔

ان آیات میں دیکھیے، جس چیز کو غلط قرار دیا گیا ہے وہ محض اتباعِ اسلاف نہیں بلکہ یہ ہے کہ انسان ان کی پیروی پر اس حالت میں بھی اصرار کرے جب کہ اسلاف نہ تو عقل رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوں۔ قرآن چاہتا ہے کہ ان کی پیروی اختیار کرنے سے پہلے آدمی آنکھیں کھول کر دیکھ لے کہ وہ معقول اور صحیح راستے پر بھی چل رہے تھے یا نہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ

(المائدہ - ۱۴)

اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس فرمان کی طرف جو خدا نے بھیجا ہے اور آؤ رسول کے طریقہ کی طرف، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا کی پیروی کیے چلے جائیں گے چاہے ان کو کسی بات کا علم نہ ہو اور وہ سیدھے راستے پر نہ ہوں۔

یہاں بھی صرف ایسے آباؤ اجداد کی پیروی پر گرفت کی گئی ہے جو نہ تو علم رکھتے ہوں اور نہ راہ راست

ہی پر ہوں ۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۔ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۔ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔

(الانبیاء-۵)

جب آپ نے اپنے باپ اور قوم کو کہا کہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر آپ لوگ مجاور بنے بیٹھے ہیں تو وہ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے پایا۔ آپ نے کہا کہ تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں رہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۔

(لقمان-۳)

جب ان سے کہا گیا کہ اس حکم کی پیروی کرو جو خدا نے بھیجا ہے تو انھوں نے کہا کہ نہیں ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا وہ باپ دادا ہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو عذابِ جہنم ہی کی طرف کیوں نہ بلا رہا ہو۔

مندرجہ بالا آیات اس حقیقت کی ترجمان ہیں کہ قرآن حکیم جس چیز کو گمراہی سے تعبیر کرتا ہے وہ اسلاف کی پیروی نہیں بلکہ وہ غلط اندازِ فکر ہے جو ایک شخص اپنے دل پسند رواج، عقائد، خیالات و نظریات کو نہ چھوڑنے کے لیے بسا اوقات اختیار کر لیتا ہے۔ وہ اپنی اس غلط روش کو صحیح ثابت کرنے کے لیے آباؤ اجداد کا سہارا لیتا ہے۔ تفکر کا یہ انداز یا استدلال کا یہ طریق یقیناً قابلِ ملامت ہے اور قرآن پاک نے بڑی سختی سے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ مگر یہ اسی صورت میں ہے جب کہ آبا و اجداد بے عقل ہوں، بے علم ہوں، ضلالت میں مبتلا ہوں، اور شیطان کی پیروی کرنے والے ہوں۔ لیکن یہ صریح ظلم و زیادتی ہوگی اگر ان آیات کا مصداق اُن نفوسِ قدسیہ کو قرار دیا جائے جن کی نیکی و راست روی کی نہ صرف خداوند تعالیٰ خود شہادت دیتے ہیں بلکہ اُن کی پاکیزہ روش کو ہمارے لیے ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور ہمارے ایمان کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی جاتی ہے کہ ہم اُن کی پیروی کریں۔

وہ لوگ جنہوں نے انسان کی عمرانی زندگی کا ایک سرسری سا جائزہ بھی لیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ انسان کے کسی قول یا فعل پر "نئے پن" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہاں ہمیشہ ماضی ہی استقبال کا بھیس بدل کر حال کے سٹیج پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس دنیا میں انسانی اعمال کی کوئی شاہراہ ایسی نہیں جس پر انسانیت کے قافلے نہ گذرے ہوں۔ انسانیت کے یہ قافلے بظاہر تو بے شمار دکھائی دیتے ہیں مگر اصل میں یہ صرف دو ہی ہیں۔ شر کا قافلہ اور خیر کا قافلہ۔ ان دونوں قافلوں میں ایک بنیادی اور اساسی فرق یہ ہے کہ شر کا قافلہ کبھی ایک راہ پر نہیں چلا۔ اُسے چونکہ مختلف ادوار میں مختلف قسم کی گمراہیاں جادۂ مستقیم سے ہٹاتی رہیں، اس لیے وہ بھی شر و فساد کی مختلف وادیوں میں بھٹکتا رہا۔ اس میں جو شخص بھی شریک تھا اُس نے اپنے لیے یہ ضروری نہ سمجھا کہ اپنے پیشروؤں کے قدم بقدم چلے، بلکہ اُس کے نزدیک معیارِ کمال یہی تھا کہ وہ جہاں تک ممکن ہو جدت سے کام لے۔ اس کے برعکس خیر کے قافلہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی ہے کہ اُس کے افراد کی راہ ہمیشہ ایک اور روش یکساں رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ازل سے اس قافلہ کا نقطۂ آغاز ایک، منزلِ مقصود ایک اور سرچشمۂ ہدایت و رہنمائی بھی ایک ہی رہا ہے۔ اس میں شامل ہونے والوں کے لیے کوئی دوسری صورت بجز اس کے ممکن نہیں کہ وہ اپنے پیشروؤں کے نقشِ پا کو ہی مشعلِ راہ بناتے رہیں۔ اسی طرزِ عمل سے اُن میں اشتراکِ عمل کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ نہ صرف اپنی قوم، ملک، نسل اور اپنے ہم عصروں میں سے اپنے ساتھی تلاش کرتے ہیں بلکہ وہ پوری انسانی تاریخ میں اُن نیک اور ہدایت یافتہ افراد کی جستجو بھی کرتے ہیں جو اس راستے پر گامزن ہوئے۔ اس طرح ان میں اس راہ گذر کا ایک صحیح احساس یا وجدان پیدا ہوتا ہے جو انہیں ہر قدم پر بتاتا رہتا ہے کہ اب تم ٹھیک راستے پر جا رہے ہو۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں "جدت" (اسلامی اصطلاح میں "بدعت" اور "احداث فی الدین") سب سے بڑی گمراہی ہے اور سلف کی پیروی ہی ہمارے راہ راست پر ہونے کی سب سے بڑی قوی دلیل ہے۔

آئیے اب یہ دیکھیں کہ اسلام ہمارے اندر اس احساس کو کس طرح ابھارتا ہے۔

قرآن مجید نے سب سے پہلے انسانی اذہان و قلوب میں اس خیال کی تخم ریزی کی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سب انبیاء کو ایک ہی دین دے کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا (شوریٰ-۲)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ و عیسیٰ کو، یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو۔

اس وحدتِ فکر نے نہ صرف ایک ہی دور کے بسنے والے انسانوں میں مغائرت کے پردوں کو چاک کر کے انہیں ایک برادری سے وابستہ کیا ہے بلکہ اسلام نے یہ نقطۂ نظر پیش کر کے کہ سب انبیاء علیہم السلام ایک ہی دعوت اور ایک ہی دین کے علمبردار تھے، ایسی ملت کی بنیاد رکھی ہے جو ازل سے ابد تک ایک ہی ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر جس طرح دوسرے معاملات میں نہایت وسیع ہے اسی طرح فلسفۂ تاریخ کے باب میں بھی اُس کے اندر بے حد وسعت ہے۔ اُس نے رنگ و نسل، زبان و وطن، بلکہ زمان و مکان کی پابندیوں سے یکسر آزاد ہو کر پوری انسانیت کا احاطہ کیا ہے۔ وہ پوری انسانی تاریخ کو حق و باطل کی ایک عالمگیر اور دائمی آویزش کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اہلِ حق خواہ وہ کسی ملک، قوم یا دور سے تعلق رکھتے ہوں، سب ایک ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہر داعی الی الحق نے یہ نہیں کہا کہ میں تمہارے لیے کوئی نئی چیز لے کر آیا ہوں بلکہ ہمیشہ اسی بات پر زور دیا کہ جو تعلیم میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں وہ بالکل وہی ہے جو میرے پیشرو بیان کر چکے ہیں۔ اس میں کوئی جدت نہیں۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔

آپ فرما دیجیے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو بس اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے، اور میں کچھ نہیں ہوں مگر ایک صاف صاف متنبہ کر دینے والا۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی دعوت کوئی نئی نہیں تھی بلکہ ایک لمبے سلسلے کی آخری کڑی تھی۔

اسی طرح دوسرے بے شمار مقامات پر مختلف انبیاء علیہم السلام نے اپنے برحق ہونے کے لیے علاوہ دوسرے دلائل کے ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ ہم سے جو پہلے انبیاء گزرے ہیں انھوں نے بھی یہی موقف اختیار کیا اور ہم سب ایک ہی برادری کے مختلف افراد ہیں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ - ۱۵)	کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ انھوں نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے ان سب نے جواب دیا: ہم اس ایک خدا کی بندگی کریں گے، جسے آپ نے اور آپ کے بزرگ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اور اسحٰقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم اُس کے مسلم ہیں
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ (البقرہ - ۱۵)	(مسلمانو!) کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، اور اولادِ یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم اُن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔

پھر دیکھیے، کس بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا تعلق اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیان فرما رہا ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ	جہاد کرو اللہ کی راہ میں جس طرح کہ جہاد کرنے کا حق ہے اُس نے تم کو منتخب کیا اور اُس نے دین میں تم پر کوئی

حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ (الحج -۱۰)

تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت، اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی، تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔

پھر دیکھیے حضرت یوسف علیہ السلام بالکل صاف الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے ایمان سے عاری قوم کے طور طریقوں کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا یعنی ابراہیم و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کے دین کو اختیار کیا ہے۔

وَاِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (یوسف -۴)

اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اُن لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اپنے بزرگوں، ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔

یہ سب آیات اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ اتباعِ اسلاف اُس حالت میں بالکل ناگزیر ہے جب کہ اسلاف صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں، بلکہ بعد میں آنے والوں کے لیے صداقت اور سچائی کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ وہ اسی راستہ پر ہیں جس پر اُن سے پہلے کے نیک اور راست رو لوگ تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں وہ اپنے پیروؤں کو صرف یہی ہدایت نہیں کرتے تھے کہ وہ ان سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی پیشوائی تسلیم کریں، بلکہ یہ عہد بھی لیتے تھے کہ وہ ان کے بعد آنے والے انبیاء کی بھی پیروی کریں۔ لیکن سلسلۂ نبوت کے آخری تاجدارؐ کے تشریف لے آنے کے بعد جب نبوت کا سلسلہ بالکل بند ہو چکا ہے، تو اب ہمارے ایمان کی اولین اور آخری شرط یہی ہے کہ ہم حضورؐ کی ہی پیروی کریں۔ اُن کا اتباع ہی ہماری زندگی کا اصل نصب العین اور

معراج ہے۔ چنانچہ ایک مسلمان کو اپنے ایمان کے بقا کے لیے ہر لمحہ اور ہر ثانیہ ماضی کی طرف ہی پلٹ کر دیکھنا پڑتا ہے۔ ایک ایسا ماضی جس میں اُس کا آئیڈیل جگمگا رہا ہے، جس سے اُسے راہ ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

تمہارے لیے رسولِ خدا میں ایک اچھا نمونہ ہے، اُس کے لیے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور یومِ آخرت کی اور جو اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کا حکم مانا، اُس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کہنے پر چلا۔ اس نے بڑی مراد پائی۔

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ

اللہ اور اس کے رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران - ۶۱)

فرما دیجیے اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

اسی طرح حدیث میں بھی اس مضمون پر مختلف پہلوؤں سے زور دیا گیا ہے کہ نجات کی واحد صورت یہی ہے کہ ایک مومن رسول اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتا رہے۔ جو کچھ حضورؐ نے فرمایا ہے اُس کی اتباع کرے اور جس سے انہوں نے منع فرمایا ہے اس سے رُک جائے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال دعونی ما ترکتکم۔ انما هلك من كان قبلكم كثرة سؤالهم واختلافهم علی انبياءهم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو چھوڑ دو جب تک میں تم کو چھوڑے رہوں۔ بے شک اگلی امتوں کو کثرتِ سوال نے اور اپنے انبیاء پر اختلافات نے ہلاک کیا۔ جب تم کو

فاذا نهيتكم عن شيئٍ فاجتنبوه واذا امرتكم بامر فاتوا منه ما استطعتم۔

(متفق علیہ)

کسی بات سے منع کروں تو اس سے باز رہو اور جس بات کا حکم دوں تو اس کو کرو جتنی کہ تم میں استطاعت ہو۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنه اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل امتی يدخلون الجنة الا من ابٰی، قيل مَنْ ابٰی يا رسول اللہ، قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابٰی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے مگر وہ جنت سے محروم رہیں گے جنہوں نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ انکار کرنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا جس نے نافرمانی کی اُس نے انکار کیا۔

اس کے ساتھ حضور سرور کائنات نے دین میں نئی نئی باتیں داخل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ احدث فی امرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد وفی رواية لمسلم: من عَمِلَ عملا ليس عليه امرنا فهو ردٌ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے اس کام (یعنی دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ رد ہے اور مسلم کی ایک روایت ہے کہ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا طریقہ نہیں ہے تو وہ رد ہے۔

وعن جابر رضی اللہ عنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرَّتْ عيناهُ وعلا صوتُهُ واشتدَّ غضبُه حتیٰ كانه منذرِ جيشٍ يقول صبحكم ومساكم ويقول: بُعِثْتُ انا و

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ فرما رہے ہوتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں آواز بلند ہو جاتی اور جوش بڑھ جاتا۔ معلوم ہوتا کہ گویا آپ ایک ایسے لشکر سے ڈرا رہے ہیں جو صبح یا شام حملہ کرنے والا ہے۔ اور آپ فرماتے

(باقی ص۳۶۲ پر)